توبہ، استغفار کے ساتھ ممکن ہوتا ہے۔ گناہوں کے داغ مٹا دینا، کلیۃً چھپا دینا کہ وہ کالعدم ہو جائے

(خطبہ جمعہ 4 /اپریل 1997ء بمقام مسجد فضل لندن۔ برطانیہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کی۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۴۰﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۴﴾ قف

(الحجر: 40 تا 44)

پھر فرمایا:

یہ مضمون کچھ عرصے سے شروع ہے کہ جب تک انسان ایسی حالت میں جان نہ دے کہ وہ عباداللہ میں شامل ہو چکا ہو یا عِبَادُ الرَّحْمٰنِ میں شامل ہو چکا ہو اس وقت تک اس کی آئندہ زندگی کے اچھے ہونے کے متعلق کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اس کا برا ہونا بھی لازم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو جس کو چاہے، جیسے چاہے بخش دے مگر وہ شخص جو مرتے وقت خدا کا بندہ نہ بن سکا اس کے متعلق یہ یقیناً کہہ دینا کہ وہ آئندہ زندگی میں نیک اجر پائے گا یا ضرور بخشا جائے گا یہ محض وہم وگمان ہے اور عمومی قاعدے کے خلاف ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کتنے ہیں جو اس دنیا میں جیتے جی خدا کے

بندے بن چکے ہوتے ہیں۔جب ہم خدا کے بندوں کی صفات پر غور کرتے ہیں جیسا کہ عِبَادُالرَّحْمٰنِ کی صفات میں نے آپ کے سامنے کھول کے رکھی تھیں تو ہر شخص اگر اپنے آپ کو کرید کر دیکھے اور تقویٰ رکھتا ہو، کچھ بھی انصاف سے کام لے تو اسے ہر دفعہ اپنے ضمیر کو کریدنے پر ایسے نشان دکھائی دیں گے جو خدا کے بندے ہونے کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔اگر کلیۃً نہیں تو کہیں نہ کہیں ہر انسان کبھی شیطان کا بندہ بن چکا ہوتا ہے اور اکثر آدمی اکثر صورتوں میں خدا کے سوا شیطان ہی کی عبادت کرتے ہوئے زندگی بسر کر دیتے ہیں کیونکہ جب نفس کی عبادت کرتے ہیں وہ شیطان کی عبادت ہے۔جب خدا کے احکامات کے بالکل برعکس ایک اپنا طریق ڈھالتے ہیں تو وہ صراط مستقیم تو بہر حال نہیں اور اللہ کے بندوں کے متعلق یہ شرط ہے کہ وہ صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں۔ وہ جب صراط سے بھٹکے تو کسی آواز پہ بھٹکتے ہیں کسی اور منظر نے توجہ پھیری ہے اپنی طرف تب جا کے بھٹکتے ہیں ورنہ سیدھے راستے پر چلتا ہوا کون ہے جو اس سے الگ ہٹ کر قدم رکھ دے۔پس جہاں بھی غیر کی آواز سنائی دیتی ہے اور آپ اس پر توجہ دیتے ہیں وہی موقع ہے آپ کے شیطان کی غلامی کو قبول کرنے کا۔

پرانے زمانے میں بعض کہانیاں ایسی ہوتی تھیں جو ہیں تو بظاہر ناممکن جنوں بھوتوں کی کہانیاں لیکن ان میں سبق ایسے ہوتے تھے جو سچائی کے سبق تھے۔آج کل کے زمانے میں تو سبق آموز کہانیوں کا رواج بھی مٹ چکا ہے۔اکثر کہانیاں وہ ہیں جو محض جہالت پیدا کرتی ہیں لیکن ایک زمانہ تھا جب انسان میں اعلیٰ قدروں کی پہچان تھی اور اعلیٰ قدروں کو زندہ رکھنے کی خواہش ہوا کرتی تھی اس لئے کہانیاں بنانے والے بھی ایسی کہانیاں بناتے تھے اگر ان میں ڈوب کر دیکھیں تو کوئی نہ کوئی سبق ان میں ملے گا۔ایک ان میں سے ایسی طرز کی کہانیاں تھیں جن کی طرز ایک ہی تھی اگرچہ کردار بدل جاتے تھے کہ انسان یا ایک شہزادے کو ایک مہم سر کرنی ہے مگر شرط یہ ہے کہ دائیں بائیں سے جو آوازیں آئیں گی ان سے متاثر ہو کر دائیں یا بائیں نہیں دیکھنا۔اپنے رستے سے ہٹنا نہیں ہے۔اگر رستے سے ہٹ گئے، اگر کسی حرص کی آواز پر لبیک کہہ دیا، یا کسی خوف دلانے والی آواز سے ڈر کر بدک گئے تو دونوں صورتوں میں تم وہیں پتھر کے ہو جاؤ گے۔

اب یہ کہانی تو بظاہر ناممکنات کی کہانی ہے مگر مذہبی دنیا میں بعینہٖ یہی ہوتا ہے۔انسان جب

صراط مستقیم پر چلتا ہوا باہر کی آوازوں پر کان دھرتا ہے تو وہیں سے اس کے لئے روحانی لحاظ سے مرنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور پتھر ہونے سے یہی مراد ہے اور جب وہ بھٹک جاتا ہے، اس راہ کو چھوڑتا ہے تو اس کی روحانی زندگی وہیں ختم ہو جاتی ہے پھر وہ شیطان کا بندہ بن کر باقی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ مضمون تو بالکل کھلا کھلا اور واضح ہے لیکن کہانیوں میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اکثر ہیں جو باوجود سمجھانے کے، باوجود تاکید کے، باوجود بتانے کے کہ اتنا بڑا خطرہ درپیش ہے ڈرانے والی آوازوں کی کوئی بھی حقیقت نہیں، حرص و ہوا دے کر اپنی طرف بلانے والی آوازوں میں کچھ بھی جان نہیں وہ تمہیں کچھ بھی عطا نہیں کرسکیں گی اس لئے بالکل پرواہ نہیں کرنی، اس سمجھانے کے باوجود اکثر ہیں جو پتھر کے ہو جاتے ہیں۔ تو سفر میں وہ شہزادہ جو کامیاب ہو کر آخر اپنے مقصد تک بامراد پہنچ جاتا ہے وہ رستے میں جگہ جگہ پتھروں کے لوگ دیکھتا ہے۔ پتھروں کے بت بنے ہوئے، کہیں پتھروں کی عورتیں ہیں، کہیں پتھروں کے مرد ہیں اور بالآخر جو زندگی پاتا ہے تو اس سے پتھر بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔

اب یہ کہانی دیکھو کتنی عجیب و غریب اور مصنوعی ہے لیکن نبوت کے مضمون پر کیسے صادق آتی ہے، حرف بحرف پوری اترتی ہے۔ نبی کا زمانہ وہ ہے جب کہ سب دنیا ان آوازوں کی طرف کان دھرتی ہے، ان طمع کے مقامات کی طرف بڑھتی ہے جو اسے دکھائی دیتے ہیں۔ سبز باغ دکھائی دیتے ہیں کہ یہاں آؤ یہاں تمہیں جنت ملے گی، یہاں عیش و عشرت کے سامان ہیں، تمہاری لذت کے سامان ہیں۔ جب انسان ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ان تک پہنچتا ہے تو اس وقت اس کو سمجھ آتی ہے کہ یہ لذت تو عارضی سی چیز تھی اور ہر لذت کے ساتھ کوئی دکھ لگا ہوا ہے۔ ہر لذت کے ساتھ جو اس قسم کی لذت ہے جو خدا کی عطا فرمودہ لذتوں سے باہر ہے کسی کی حق تلفی بھی ہے، کسی اور انسان کی جائیداد پر ہاتھ مارنے کے بغیر یہ جنت نہیں ملتی۔ کسی اور شخص کے رشتے داروں اور عزیزوں پر ہاتھ ڈالے بغیر یہ جنت نہیں ملتی۔ جب وہ ہاتھ ڈالتا ہے ایسی جنتوں پر تب اسے سمجھ آتی ہے کہ یہ جنت کسی نہ کسی کے لئے جہنم ضرور پیدا کرتی ہے اور بغیر جہنم پیدا کئے جنت ہو ہی نہیں سکتی اور کچھ دن کے بعد پھر جنت بھی مٹ جاتی ہے اور جنت والے کے لئے جہنم چھوڑ جاتی ہے۔ کبھی بھی نیک انجام نہیں ہوتا۔ تو یہ کہانی انبیاء کے وقت میں لفظاً لفظاً بعینہٖ پوری ہوتی ہے کوئی بھی اس میں شک نہیں۔

ایک وجود ہے وہ ایک شہزادہ روحانی سلطنت کا جو خدا کا نبی ہوتا ہے وہ دائیں دیکھتا ہے نہ

بائیں دیکھتا ہے، سیدھا اپنے خدا کی طرف نظر رکھے ہوئے بڑی بہادری کے ساتھ اس راہ پہ چلتا ہے اور اسی کی زندگی کا نقشہ ہے جو **لاحول و لاقوۃ الا باللہ** میں کھینچا گیا ہے اور ان شیطانی آوازوں سے بچنے کا طریق بھی قرآن کریم کی اس آیت نے ہمیں سمجھا دیا کہ دیکھو اپنی طاقت سے تم بچ نہیں سکو گے یہ ورد کرتے ہوئے آگے بڑھو، **لاحول و لا قوۃ** کوئی بھی خوف نہیں ہے۔ **و لا قوۃ** اور کوئی طاقت نہیں ہے مجھے اچھا بنا دینے کی یا مجھے کچھ عطا کرنے کی **الا باللہ** اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ اگر ورد جان لے، اگر اس کا مضمون سمجھ آجائے اور انسان کامل یقین رکھے تو یہاں توحید کی عبادت شروع ہوتی ہے۔

توحید میں ایک نفی بھی ہے پھر مثبت بات ہے۔ پہلے **لا** کا اقرار ہے کہ کوئی بھی نہیں مگر **لا حول و لا قوۃ** نے دو پہلوؤں سے توحید کو روشن کر دیا۔ ایک یہ کہ تمہیں جو خدا کے سوا کوئی نعمت کی بات عطا کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ نعمت وہی ہے جو خدا عطا کرے یا اس کے قوانین کے تابع تمہیں نصیب ہو۔ اگر خدا کے سوا کوئی اپنے عذاب سے ڈراتا ہے جیسا کہ فرعون نے ڈرایا تھا جیسا کہ آج بھی خدا کے نام پر اس کے بھٹکے ہوئے بندے بعض دوسروں کو ڈراتے ہیں کہ اگر تم نے خدا کی آواز پر لبیک کہا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ کہتے تو یہ ہیں کہ تمہاری آواز جس پر لبیک کہہ رہے ہو شیطان کی ہے مگر وہ خود شیطان ہوتے ہیں اور اسی طرح شیطان بھیس بدل بدل کر جیسا کہ قرآن فرما رہا ہے بعض دفعہ نصیحت کے رنگ میں، بعض دفعہ دھمکانے کے رنگ میں نیکی کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے۔ کہتا ہے اس راہ سے ہٹ جاؤ ورنہ بہت برا سلوک کیا جائے گا۔ جو ڈر جائیں وہ وہیں پتھر ہو جاتے ہیں یعنی ان کا روحانی وجود ختم ہو جاتا ہے۔ مگر نبی نہ صرف خود بچ کر چلتا ہے اور ہمیشہ **لاحول و لا قوۃ الا باللہ** کا مضمون پیش نظر رکھتا ہے بلکہ یہ توحید کا شہزادہ جب منزل تک جا پہنچتا ہے جہاں خدا اسے قبول فرما لیتا ہے تو جس پتھر پر پھونک مارے وہ پتھر جاگ اٹھتا ہے، صدیوں کے مردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ تو دیکھو کیسا کہانی کے اندر ایک گہرا سبق موجود ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی ایک رؤیا ایسی ہی دیکھی تھی اور **''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ''** ورد کرتے ہوئے اپنے آپ کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا اور ساری بلائیں غائب ہو گئیں۔ ایک نظارہ میں نے خود بھی دیکھا بعینہٖ اسی قسم کا لیکن اس میں خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ نہیں بلکہ **رب کل شئی خادمک رب فاحفظنا وانصرنا وارحمنا** کی دعا تھی جس نے مجھے بچایا اور ساری منزل خدا کے فضل کے ساتھ خیر و عافیت سے طے ہوئی یعنی اردگرد کے خوف اور اردگرد

کی حرص اور طمعیں کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں۔

تو یہ ایک صرف رؤیا کا تجربہ نہیں، عملی دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ پس کسی نہ کسی دعا کے سہارے آپ کو صراط مستقیم پر قائم رہنا ہوگا اس کے بغیر ناممکن ہے اور نبی جب ایک دفعہ صراط مستقیم عطا کر دے تو پھر بھٹکنے کا دوبارہ سامان غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا مضمون پھر چل پڑتا ہے۔ تو یہ خیال کر لینا کہ میں نے اپنے مقصد کو پالیا اور میں مقام محفوظ پہ پہنچ چکا ہوں تو یہ محض وہم ہے، ایک دل کا دھوکہ ہے۔ انبیاءؑ کو اس لئے معصوم کہا جاتا ہے کہ انبیاءؑ اس سڑک پر چلتے ہوئے بھی خدا کی حفاظت میں اس طرح کلیۃً لپیٹے جاتے ہیں گویا خدا کی گود میں آ گئے۔ بظاہر چلتے ہیں مگر خدا کی گود میں آگے بڑھتے ہیں۔ یہ مقام معصوم ہے مگر ہر شخص کو یہ مقام نصیب نہیں ہوتا اور ہر شخص کے لئے جو نبیوں کی پیروی کرتا ہے اگر اس پیروی میں کوتاہی کرے تو یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے بھی وہ بالآخر مغضوب ہو جائے یعنی اس راہ کے تقاضے پورے نہ کر سکے یا ضالین ہو جائے دنیا کی لذتوں میں کھویا جائے اور راہ سے ہٹ جائے۔

پس دونوں طریق وہی پتھر بنانے والے طریق ہیں اور شیطان کی عبادت کے مختلف نام رکھ دئے گئے ہیں کیونکہ ہے شیطان ہی کی عبادت، جب بھی صراط مستقیم سے آپ کسی خوف یا حرص کے نتیجے میں اپنے قدم ہٹائیں گے تو وہیں سے خدا کی عبادت ختم اور شیطان کی شروع۔ اس مضمون کو خوب اچھی طرح سمجھنے کے باوجود پھر کتنے ہیں جو ان آوازوں پر دھیان نہیں دیتے۔ اب یہ جو سوال ہے اس کا جواب ہر شخص خود دے سکتا ہے اور ہر شخص اگر تقویٰ کا کوئی بھی شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے تو جواب دے گا کہ ہاں بسا اوقات کئی دفعہ ظاہر طور پر، کئی دفعہ مخفی طور پر لاعلمی میں میں شیطان کی آواز پر لبیک کہہ چکا ہوں اور اس راہ سے ہٹ چکا ہوں پھر واپسی کیسے ممکن ہوگی۔ یہ وہ مضمون ہے جس کے متعلق میں آپ کو چند باتیں بتانا چاہتا ہوں۔

خدا تعالیٰ کے نبی ہی کا فیض ہوتا ہے کہ واپسی ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے انبیاءؑ ان راہوں کی باریکیوں سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ خوب کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھٹکی ہوئی جو راہیں خود نہیں دیکھیں ان کو اس صفائی سے بیان فرماتے تھے کہ آدمی حیران رہ جاتا تھا۔ گناہ کی باریک ترین راہوں کو بھی کھول کر روشن فرما دیا کرتے تھے کہ اس طرح

بھی گناہ پیدا ہوتا ہے، اس طرح بھی گناہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ **نعوذباللہ من ذالک** آپ ان راہوں پر چل چکے تھے اس لئے کہ کوئی انسان بھی توحید کی اعلیٰ منزل طے نہیں کرسکتا جب تک ان راہوں کے خطرات سے آگاہ ہو کر ان پر غالب نہ آ چکا ہو۔

پس نبی کے تجربے عام گنہگار کے تجربے سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر عام لوگ سمجھ نہیں سکتے اس بات کو کیونکہ نبی پر ابتلاء کی بہت باریک راہیں آتی ہیں اور ہر راہ میں وہ کامیابی سے گزرتا ہے۔ ہر باریک سے باریک، چھپے سے چھپے خطرے کو بھی جانتا ہے، پہچانتا ہے اور ہر دفعہ شیطان کی آواز کو رد کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے تجربہ اس کا ایسا ہے جو گنہگار کو بھی کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ گنہگار کو اتنی باریک راہوں سے نہیں گزرنا پڑتا جن باریک راہوں سے نبی گزرتا ہے اور اس کو تقویٰ کی باریک راہیں کہا جاتا ہے، گناہ کی باریک راہیں نہیں کہا جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجربے کو تقویٰ کی باریک راہیں فرمایا ہے تقویٰ سے مراد ہے بچنا۔ بنیادی معنی یہ ہے۔ تو وہ باریک راہیں جن سے نبی یا خدا کا نیک بندہ بچتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس لئے جب بچ کے گزرتا ہے تو یہ بھی جانتا ہے کہ خطرہ تھا کیا؟ اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس خطرے سے بچا کیسے جاسکتا ہے۔ تو تجربہ اس کا ایسا عظیم الشان، اتنا وسیع ہے کہ جب وہ بیان کرتا ہے تو ہر گنہگار سمجھتا ہے میرے دل کے اندر جھانک کر اس نے دیکھا ہے یعنی ہر باریک سے باریک کیفیت کو جانتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ بڑی آزمائشوں سے وہ اپنے ذہنی اور قلبی سفر میں گزر چکا ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہر غلط آواز کو رد کر کے گزرتا ہے، اسے قبول کرتا ہوا نہیں گزرتا اور یہی فرق ہے گنہگار اور معصوم نبی میں کہ گنہگار قبول کرتے ہوئے گزرتا ہے اور دنیا اس سے بھری پڑی ہے۔ نیک بندوں میں بھی کثرت سے ایسے ہیں جو ان ٹھوکروں میں مبتلا ہوئے اور ٹھوکر کھا گئے لیکن پھر اٹھتے ہیں پھر بچ کے گزرتے ہیں۔

تو یہ ہے وہ استغفار کا مضمون جسے تمام تر باریکی کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔ استغفار کے مضمون میں اگر غلطی کریں گے تو یہ خیال پیدا ہوگا کہ ابھی استغفار کی اور ابھی چھٹی ہوگئی، گناہوں سے توبہ کر لی اور بس ختم۔ توبہ، استغفار کے ساتھ ممکن ہوتی ہے اور استغفار میں پوری طرح صفائی پیش نظر ہے یعنی ہر طرح کے گناہ کو اتنا اس کو دبا کے ذلیل و رسوا کر دینا کہ وہ پھر دکھائی تک نہ دے اور یہ ذلیل اور رسوا کر کے اس کو دبا ڈالنا یہ دراصل استغفار ہے اور آدم جن پتوں کے پیچھے چھپ رہا تھا وہ استغفار

کے پتے تھے اور اس میں بھی اب دیکھیں کتنا باریک فرق ہے ریا کاری اور گناہ دبانے میں۔ ریا کاری کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ پتوں کے پیچھے چھپ جائے، اندر وہی کرتا رہے جو پہلے گناہ تھے اور دیکھنے والے کو پتے دکھائی دیں۔ حقیقی استغفار کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ پتے آجاتے ہیں تو بدن کے داغ واقعۃً مٹ جاتے ہیں اور انسان کے گناہ ان میں چھپ کر نظر سے غائب ہوتے ہیں۔ اب نظر کس کی تھی جو دیکھ رہی تھی۔ جب اس مضمون کو سمجھیں گے تو استغفار کے مضمون کو ریا کے مضمون سے بالکل الگ دیکھیں گے۔ بائبل نے غلطی کی اور یہ سمجھا کہ وہ ظاہری طور پر خدا کی آنکھ سے چھپ رہا تھا۔ ظاہری طور پر وہ چھپ سکتا ہی نہیں تھا۔ ناممکن ہے کہ کسی درخت کی اوٹ میں، کسی گھاس پھوس کے پردے میں جا کر کوئی انسان اللہ سے چھپ جائے۔

تو وہ استغفار جو شجرہ طیبہ کے پتے تھے جن کے پیچھے وہ اپنے گناہ کو اس طرح ڈھانپ رہا تھا کہ خدا کو بھی وہ غائب ہوتا ہوا دکھائی دے، خدا بھی اس گناہ کو نہ دیکھے۔ دیکھ سکنے کے باوجود اگر نہیں دیکھتا تو وہ گناہ مٹ گیا ہے اور یہ کامل استغفار ہے کہ اس کو ڈھانپے مگر دنیا والوں کی نظر سے نہیں اللہ کی آنکھ سے ڈھانپ دے۔ خدا بھی دیکھے تو اس میں اس گناہ کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ یہ کامل استغفار ہے جس کے بعد نئی زندگی پیدا ہوتی ہے اور اسی استغفار کی تلاش دراصل مومن کا حقیقی جہاد ہے۔

پھر جہاد کی راہوں کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی باریکی سے کھول کھول کر بیان فرمایا اور یہ اس لئے کہ آج کے مسائل کا سب سے اہم مسئلہ ہے کہ ہمارا جہاد ہی گناہوں سے نکال کر بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کے پاک بندوں میں شامل کرنا، صراط مستقیم پر چلنے والوں میں ان کو داخل کرنا اور تقدس کا ایسا لباس عطا کرنا ہے جو پھٹتا نہیں ہے۔ جو ہمیشہ ساتھ دیا کرتا ہے۔ اتنا بڑا کام ہے اور ہم خود داغدار اور گنہگار رہیں۔ اگر ہم اپنی صفائی کی طرف توجہ نہیں کریں گے تو ہمارا دعویٰ محض جھوٹ کا دعویٰ ہوگا۔ یہ بات بھول جائیں کہ دشمن ہماری برائیاں دیکھ رہا ہے کہ نہیں، جانتا ہے کہ نہیں۔ یہ سب بے معنی، بے حقیقت باتیں ہیں۔ ایک ہی آنکھ ہے جو خدا کی آنکھ ہے جو دیکھ رہی ہے تو جو دیکھ رہی ہے وہی سچ ہے۔ اس کی نظر میں اگر ہم داغدار ہی مر رہے ہیں، اس کی نظر میں اگر ہم ایسے مر رہے ہیں کہ ہمارے جو بھی گند تھے ہم نے ان کی صفائی کی کوشش بھی نہیں کی تو یہ مرنے والے خدا کے بندوں کے طور پر نہیں مرا کرتے۔ یہ مرنے والے شیطان کے بندوں کے طور پر مرتے ہیں۔

وہ لوگ جو دیانت داری سے صفائی کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں اور پھر اس حالت میں وہ جان دے دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا احسان اور رحمت ہے کہ وہ ان کو بھی اپنے بندوں میں شمار کر لیتا ہے۔

پس مغفرت کی راہ آغاز میں بھی محفوظ ہے اور انجام میں بھی محفوظ ہے۔ اگر مغفرت کے تقاضے آپ سب پورے کر لیں اور استغفار اس حد تک کریں کہ گناہ کلیۃً مٹ جائے تو یہ مغفرت کا جو اعلیٰ درجے کا تقاضا تھا وہ پورا ہو گیا اس کے اوپر پھر کوئی کامیابی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ استغفار میں ہر دوسرے نبی سے ہی نہیں ہر دوسرے انسان سے بھی آگے بڑھ گئے اور جاہل دشمن کہتا ہے کہ اگر گناہ نہیں کئے تھے تو اتنا استغفار کیوں کر رہے تھے۔ ان بیوقوفوں کو پتا نہیں کہ استغفار کا حقیقی معنی وہی ہے جو میں اب بیان کر رہا ہوں کہ ایسے گناہوں کا داغ، اس کا نشان مٹ جانا، اس کا تصور مٹ جانا کہ خدا کی آنکھ بھی دیکھے تو وہاں اس کو کچھ دکھائی نہ دے۔ پس آنحضرت ﷺ کا استغفار اس اعلیٰ شان کا استغفار تھا کہ گناہوں کی راہوں سے گزرے تو آپ بھی تھے ان گناہوں کی راہوں سے بچتے ہوئے گزرنا اور استغفار کے ذریعے ان کے خیالات کو مٹا دینا یہ سفر تھا جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا خدا جوئی کا سفر تھا اور ہمارے سفر لازماً اس کے تابع ہوں گے تو ہمارے لئے نجات کا کوئی امکان پیدا ہو گا تو ایک گنہگار کے لئے بھی اس میں ایک بڑی خوشخبری ہے۔

آنحضرت ﷺ کے سفر کی جو نوعیت اور اس کا جو مرتبہ اور اس کا علو، اس کی بلندی یہ ساری چیزیں عام انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتیں۔ مگر نقش پا جو پیچھے چھوڑ گئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے، ان کو چومتے ہوئے انسان آگے بڑھ سکتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ استغفار کو زندگی کا لازمہ بنانا ہوگا اور استغفار کا معنی منہ سے بخشش مانگنا نہیں۔ استغفار کا معنی ہے گناہوں کے داغ مٹا دینا، ان کو کلیۃً چھپا دینا، اتنا کہ وہ کالعدم ہو جائیں۔

اب یہ جو تجربہ ہے انسانی زندگی کا یہ نیک لوگوں کے تجربے کے علاوہ عام دنیا کے مسائل میں بھی اسی قسم کے تجربے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے ایک انسان نے اگر باریک مسائل سمجھنے ہوں تو اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ موٹے موٹے مسائل اسی سے ملتے جلتے ہیں ان پر نظر رکھے تو باریک مسائل سمجھ آجاتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے ایک قاتل کے متعلق جس نے کسی بڑے آدمی کو بنی اسرائیل میں قتل کیا تھا، اضْرِبُوْهُ (البقرہ: 74) کے لفظ استعمال کئے کہ اگر تم نے تلاش کرنا ہے تو اس سے ملتی جلتی مثالوں پر

غور کرو۔ کوئی ایسا قاتل ہے جس کے قتل کی طرز اس طرح کی ہے Modus Operandi کہتے ہیں ہر قاتل کا Modus Operandi بنیادی طور پر ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کی جو ساخت ہے دماغ کی وہ جس طریق پر قتل سوچتا ہے خواہ آلہ وہتھیار بھی بدل جائیں وہ طریق ضرور دکھائی دے دے گا اور چوٹی کے جو سراغ رساں ہیں وہ اس Modus Operandi کے ذریعے قاتلوں کو پہچانا کرتے ہیں۔

اب یہ بات قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمجھائی کہ بنی اسرائیل میں جو قتل ہوا ہے ایک بڑے آدمی کا اس کو اس کی مثالوں پر پرکھ کے دیکھو اس شخص کی حرکتیں تمہیں دکھائی دے جائیں گی۔ اس کا ترجمہ غلط کرلیا گیا مگر میں اس تفصیل میں نہیں اس وقت جاتا۔ اصل یہ معنی ہے اس آیت کریمہ کا اور یہاں بھی بہترین طریق، باریک مسائل کو سمجھنے کا یہی ہے کہ موٹی موٹی باتیں جب دکھائی دیتی ہیں ان کے اوپر باریک مثالوں کو پرکھا جائے۔ اب آپ دیکھیں کہ دھوبی کپڑے دھوتا ہے اور کرتا کیا ہے داغ مٹ جائیں۔ اس غرض سے نہیں دھوتا کہ داغ رہیں مگر دکھائی نہ دیں۔ جو اس غرض سے کرتے ہیں وہ منافقت ہے، وہ دکھاوا ہے اور وہ پھر کبھی نہ کبھی پکڑے بھی جاتے ہیں۔ مگر دھوبی جس نیت سے داغ دھوتا ہے وہ استغفار ہے اس کو پٹختا ہے بار بار، پتھروں پر مارتا ہے۔ راتوں کو جاگ کر محنت کرتا ہے اس پر مصالحے ڈالتا ہے کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح یہ داغ بالکل مٹ جائے یہاں تک کہ دکھائی نہ دے۔ تو دکھائی نہ دینے کی کوشش ہر دفعہ منافقت نہیں ہوا کرتی۔ اعلیٰ درجے کی سچائی بھی یہی کام کرتی ہے۔ منافق گند کو رکھتے ہوئے چھپاتا ہے اور اعلیٰ درجے کا نیک انسان گند کو دور کر کے مٹاتا ہے اور یہاں تک کہ وہ دکھائی نہیں دیتا۔ اب اس میں ایک سیکنڈ میں تو کپڑے نہیں دھل جایا کرتے۔ اگر لوہے کی کوئی چیز ہے جس پر گند لگا ہوا ہے تو دیکھیں آپ کو کتنا وقت لگتا ہے اس کو آہستہ آہستہ گند کو صاف کرنا، ریتیوں کے ساتھ، کپڑے مار مار کے، کچھ مصالحے لگا لگا کے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور زندگی کی حقیقتیں خواہ وہ روحانی ہوں خواہ جسمانی ہوں وہ ایک دوسری سے ملتی جلتی حقیقتیں ہیں۔ جو دکھائی دیتی ہیں ان پر تو غور کرو۔ اگر ان پر بھی غور نہیں کرو گے تو جو نہیں دکھائی دیتیں ان پر کیسے غور کر سکو گے، ان کو کیسے سمجھ سکو گے۔

پس داغوں کو دور کرنے کا مضمون جو دنیا میں دیکھتے ہو اپنی روح پر اسی کو چسپاں کرو، اسی کو

استعمال کرو تو پھر امید بندھ جاتی ہے کہ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے۔ ہماری زندگی کے مٹ جانے سے پہلے داغ نہ بھی مٹے تو اپنی رحمت سے ان کو دھو دے گا اور کالعدم کر دے گا۔ یہ عفو ہے خدا کا، صرف مغفرت ہی نہیں فرماتا بلکہ عفو بھی ہے۔ عفو کا یہی مطلب ہے کہ ہے تو سہی مگر صرف نظر فرما لیتا ہے کہ گویا داغ تھا ہی نہیں۔ جب ایک انسان اپنی نظر ہی پھیر لے تو جو چیز موجود ہے وہ بھی دکھائی نہیں دے گی۔ تو خدا کو دکھائی تو دیتا ہے مگر سلوک ایسا فرماتا ہے کہ گویا اس نے دیکھا نہیں یہ عفو کا مقام ہے۔ تو جب خدا تعالیٰ عفو کا وعدہ بھی فرما رہا ہے وہ سہارے بھی عطا کر رہا ہے تو ایک گناہ گار بندے کے لئے مایوسی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو چاہئے کہ حقائق کی دنیا میں اتر کر معروف حقیقتوں کو پہچانے، ان کی مثالوں کو نسبتاً غیر معروف حقیقتوں پر چسپاں کرے تو اس کی زندگی کا سفر بالکل کھلا کھلا اور صاف اور روشن ہو جائے گا کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اس کو دکھائی نہ دے سکے۔

بعض دفعہ لوگ سنتے ہیں کہ ایک ہی نظر نے کسی کو پاک کر دیا۔ اب کسی ایک نظر سے کپڑے تو صاف ہوتے دیکھے نہیں کبھی۔ کبھی کسی ایک نظر سے صدیوں کے لگے ہوئے زنگ تو دور ہوتے دیکھے نہیں اور یہ قانون کس نے بنایا ہے۔ کیا اس خدا نے نہیں بنایا جو روحانی قانون کا بھی خالق ہے تو تضاد کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر مادی قوانین میں بھی بعض تیزی سے رونما ہونے والے واقعات ہمیں دکھائی دیتے ہیں مثلاً وہ زنگ دار چیز جس کے اوپر سال ہا سال سے زنگ لگا ہوا ہے اس کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنا اور دواؤں کے ساتھ صاف کرنا بعض دفعہ ممکن نہیں ہوتا تو انسان اس کو بھٹی میں ڈال دیتا ہے اور جو کام سالوں کی محنت نہیں کر سکتی وہ بھٹی کے چند لمحے کر دکھاتے ہیں لیکن آگ میں جلنا پڑتا ہے۔

پس وہ لوگ جو بعض دفعہ اچانک استغفار کے نتیجے میں زندہ ہو جاتے ہیں وہ لوگ جن کے اندر اچانک ایک انقلاب رونما ہو جاتا ہے ان کی تکلیف بھی اسی حد تک بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور بغیر تکلیف سے گزرے استغفار ہو ہی نہیں سکتا۔ تو اگر آگ بھڑک اٹھی ہے ان کے اندر ندامت کی اور خدا کے حضور شرمندگی کی اور توبہ اپنے اندر ایک جہنم پیدا کر دے تو اس جہنم میں اس کے سارے گناہ بھڑک کر ایک دم ختم ہو جائیں گے۔ پس نئی زندگی اچانک جو ملتی ہے وہ بھی قانون قدرت کے مطابق ہے۔ یا استغفار ایسا کرو کہ زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ آناً فاناً تم اس آگ میں جل جاؤ جو خدا تعالیٰ کی ہیبت اور اس کی عظمت، اس کے رعب کی آگ ہے تو پھر یہ درست ہے کہ ایک ہی دن میں تمہاری

کایا پلٹ سکتی ہے۔ مگر ایسے لوگ کتنے ہیں جن میں یہ توفیق ہے کہ اتنے بڑے عذاب میں سے گزریں کیونکہ واقعۃً گناہ کی زندگی سے کلیۃً اجتناب کر لینا ایک بہت بڑے عذاب کو چاہتا ہے۔

اب یہی وہ عذاب ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر شخص گزرے گا ضرور، بعض دفعہ آہستہ آہستہ گزرتے ہیں لمبا وقت لیتے ہیں محنتیں کرتے ہیں۔ بالآخر اللہ کا فضل اگر شامل حال ہو تو نجات پا جاتے ہیں۔ کچھ ہیں جن کے اندر ایک دم ندامت اور شرمندگی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ جو توبہ کرتے ہیں وہ آناً فاناً توبہ ہے۔ پس بعض دفعہ نیک لوگوں کی نظریں جو زندہ کرتی ہیں جیسا کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نظریں زندہ کیا کرتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی خدا تعالیٰ نے آپؑ کی غلامی میں یہی ملکہ عطا فرمایا کہ بعض دفعہ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ دیکھا اور کایا پلٹ گئی، ایک نیا وجود پیدا ہو گیا۔

تو جس حد تک وہ وجود پیدا ہوتا ہوا ہمیں نظر آتا ہے ہم اسے ایک غائبانہ معجزہ سمجھتے ہیں جس میں قانون قدرت کارفرما نہیں ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ وہ نظر ان پر کام کرتی ہے جن کے دل کے اندر ایسا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ہر قسم کے دکھ کو برداشت کرنے کے لئے نہ صرف آمادہ ہوتے ہیں بلکہ برداشت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں ان کو۔ ہر لذت کی چیز سے اپنی ناآشنائی گویا کبھی واقف ہی نہیں ہوئے تھے اس کے۔ تمام زندگی کے آراموں کو تج دیا، ایک نئی فقیرانہ زندگی بسر کر لی، جو کچھ تھا ہاتھ میں وہ سب کچھ کھو بیٹھے ہوئے تھے یہ وہ استغفار ہے جو بھڑک اٹھتا ہے بعض دفعہ اور یہ استغفار قربانی ضرور دیتا ہے۔ یہ خیال نہیں ہے کہ نظر پڑی اور آپ ٹھیک ہو گئے تو نظر کے نتیجے میں اگر قربانی بھڑک اٹھے، ایک دم ایسی بھڑکے کہ اس کے شعلے آپ کی ذات کے ہر غیر اللہ کے وجود کو بھسم کر ڈالے تو یہ اچانک ہونے والا واقعہ یہ واقعۃً رونما ہوتا ہے لیکن فرضی طور پر کہانیوں کے رنگ میں نہیں بلکہ قانون وہی ہیں۔

پس آپ خواہ قیمت ایک سال سرگڑ رگڑ کر دیں، خواہ اچانک دے دیں قیمت تو دینی پڑے گی اور ہر چیز جو حاصل کی جاتی ہے اس کی قیمت دینی پڑتی ہے۔ پس اس فرضی دنیا میں نہ رہیں کہ اچانک کسی کی نظر ٹھیک کر دے۔ کسی بزرگ کی قبر پر دعا ہو گئی تو آپ زندہ ہو گئے۔ یہ سب جھوٹ ہے، فساد ہے، یہ شیطانی ہے۔ اس کو اللہ اور اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے مضامین کے ساتھ کوئی بھی

تعلق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استغفار کی راہوں کو اور بعض ایسی غلط فہمیوں کو جو اس رستے میں لوگوں کو درپیش ہوئیں خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔

مگر سب سے پہلے شاید میں نے آیات جو تلاوت کی تھیں ان کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔ یہ سورۃ الحجر کی آیات چالیس تا چوالیس تھیں جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ شیطان نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ قرار دے ہی دیا ہے اس میں بھی ایک بڑی حکمت کی بات ہے۔ شیطان جانتے بوجھتے شرارت کر رہا ہے اور خدا تعالیٰ سے جو کلام کرتا ہے اس میں کوئی جھوٹ نہیں بولتا ویسے کہتا ہے جب تو نے مجھے گمراہ قرار دے دیا ہے تو یہ تو لازمی بات ہے کہ تیرا فیصلہ درست ہوگا۔ اگر یہ فیصلہ درست ہے تو پھر مجھے گمراہ کے طور پر اب رہنا پڑے گا۔ اب گویا میرا مقدر بن گیا کہ قیامت تک اب میں گمراہ ہی رہوں گا۔ تو نے مجھے کہہ جو دیا کہ تو قیامت تک گمراہ ہے۔ تو پھر قیامت تک گمراہی کے کام کیوں نہ کروں اور میرا نفسی انتقام ایک یہ ہے کیونکہ مغرور انسان جب مارا جاتا ہے تو اس کا دل کچلا جاتا ہے، وہ انتقام کی راہیں تلاش کرتا ہے۔ تو گویا خدا تعالیٰ سے شیطان نے اس کی بات مانتے ہوئے بھی انتقام کی ایک راہ تجویز کی ہے۔ وہ کہتا ہے بہت اچھا میں گمراہ، میرا اب یہ مقصد بن گیا کہ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ کہ جو بھی بندے ہیں تیرے پیدا کردہ اور جن کو تیرے غلام ہونا چاہئے میں ان سب کے لئے زینت کے ایسے ایسے سامان پیدا کروں گا اُغوینھم یعنی ایسی ایسی زینت کی جگہیں دکھاؤں گا ان کو اور اُغوینھم اجمعین اور ان کو گمراہ کرنے کے دوسرے ذرائع بھی اختیار کروں گا یہاں تک کہ وہ سارے کے سارے تجھے چھوڑ دیں گے۔ پس میں اپنی غلامی کرنے والوں کی تعداد بڑھا لوں گا اور تیری عبادت کرنے والوں کی تعداد کم کر دوں گا اور یہ ہے میرا انتقام کہ تو نے مجھے کیوں گمراہ قرار دیا لیکن جانتا ہے کہ بعض پر اس کی بس نہیں چل سکتی۔ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جو سچا خدا کا بندہ ہے اس پر شیطان کا ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہو سکتا۔ تو ساتھ ہی کہہ دیا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ، اَجْمَعِيْنَ ہوں گے کثرت کی وجہ سے مگر جو تیرے بندے تیرے مخلص ہو چکے ہیں اور یہاں مُخلِصین نہیں بلکہ مَخلَصین بتایا گیا ہے۔ قرآن کریم نے شیطان کی طرف جو لفظ منسوب کئے ہیں وہ مخلَصین ہیں وہ بندے جن کو

تو نے خالص کر دیا ہے، جو تیرے نزدیک خالص ٹھہرے ہیں، وہ نہیں جو اپنے اخلاص جتاتے پھرتے ہیں، وہ بندے جو ہیں وہ تو میرے دائرہ اثر سے ہی باہر ہیں میری ان پر کوئی پیش نہیں جائے گی۔ تو وہ محفوظ بندے ہیں ان بندوں میں ہو کر مرنا ہے یہ ہمارا مقصد حیات ہے اور ان باتوں کو سمجھا رہا ہوں میں آپ کو تا کہ باریک سے باریک راہیں دکھائی دیں اور پتا چلے کہ ان باتوں کا لحاظ کئے بغیر ہم مخلصین میں شامل نہیں ہو سکتے۔ بندے تو رہیں گے ہی۔ ہر چیز جو پیدا ہوئی وہ خدا ہی کا بندہ ہے۔ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ وہ جو میں نے بات کی تھی کہ سیدھے رستے پر چل کر پھر بھی لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور سیدھا رستہ کوئی ڈھکا چھپا رستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ یہ دیکھو میری راہ کتنی صاف کھلی کھلی اور سیدھی راہ ہے اس راہ پر چل کر کوئی بھٹک سکتا ہی نہیں۔ مستقیم کا ایک یہ معنی بھی ہے۔ جو سیدھی راہ ہے اس میں بل فریب کے ساتھ آپ کیسے چل سکتے ہیں۔ بندوق کی نالی اگر سیدھی ہے تو گولی سیدھی ہی گزرے گی اس لئے ٹیڑھی نالی میں سے تو ٹیڑھا سفر ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے تیرے بن ہی نہیں سکتے اگر صراط مستقیم پر رہیں کیونکہ صراط سیدھی ہے تو ان کو بھی سیدھا ہی چلنا ہوگا۔ پھر اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ میرے بندے وہ ہیں تجھے ان پر ایک ذرہ بھی غلبہ نصیب نہیں ہوگا۔ سلطان غلبے کو کہتے ہیں۔ سلطان، کسی قسم کا کوئی غلبہ نصیب نہیں ہوگا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میرے بندے ہوں اور تیرے بن جائیں اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ اور جو باقی ہیں ان پر بھی تجھے غلبہ نہیں ہے۔ تجھے غلط فہمی ہے۔ جب تک وہ تیرے نہیں ہوں گے تیرے پیچھے نہیں چلیں گے۔ اس لئے تیرا یہ تکبر بھی جھوٹا ہے کہ میں تیرے بندوں کو اپنا بنا لوں گا۔ میرے بندے تو میرے ہی رہیں گے۔ جو میرے ہوتے ہوئے خود تیرے ہوں گے وہ تیرے پیچھے جائیں گے اور ان پر فخر کرنا بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ وہ اپنی ذات میں ہی اندرونی کجیوں کی وجہ سے تیری طرف جانے کی تمنا رکھیں گے تو جائیں گے میرے بندوں کو زبردستی تو نہیں کھینچ سکتا۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور پھر اَجْمَعِيْنَ ان سب کا ٹھکانہ کلیۃً جہنم ہی ہے۔ اتنی واضح کھلی کھلی بات بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو توقع رکھتا ہے وہ کوئی چھپی ہوئی توقع تو نہیں ہے۔ صراط کھول دی گئی ہے۔ سیدھا

رستہ ہے اس پر چلو، جہاں آوازیں آئیں وہاں خیال کرو کہ یہ آوازیں کیسی ہیں اور اگر صراط سے ہٹنے کی آوازیں ہیں تو جھوٹی ہیں۔ اب اس میں کون سی مخفی بات ہے۔ جب بھی انسان گناہ کرتا ہے تو سچ پر قائم رہتے ہوئے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ آواز میں کوئی ٹیڑھا پن ضرور ہوا کرتا ہے اور اسے قبول کرنے سے پہلے انسان سمجھ چکا ہوتا ہے کہ یہ ٹیڑھی بات ہے اس لئے دھوکے کا کوئی سوال نہیں رہا۔ جو انسان قدم اٹھاتا ہے جان بوجھ کر اپنی اندرونی کجی کی پیروی کرتے ہوئے وہ راہ سے بھٹکتا ہے اور جب بھٹک جاتا ہے تو پھر شیطان کی غلامی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

اتبع کا لفظ بتا رہا ہے کہ **غاوین** جو ٹیڑھے ہوں وہ محض ایک غلطی کی وجہ سے کلیۃً شیطان کے بندے نہیں بن جایا کرتے۔ ایک غلطی کی وجہ سے شیطان کے قبضے میں آنا شروع ہو جاتے ہیں پھر اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ پس جو لگیں گے وہ بھی خود ہی لگیں گے تیرے پیچھے اور ایک ٹھوکر کے بعد پھر اگلی، اگلی کے بعد پھر اس سے اگلی اور یہ سلسلہ ہے جو سلسلہ وار آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس اپنے نفسوں میں ہر انسان دیکھ لے اپنا جائزہ لے لے تو یہ کوئی اتنے بڑے عارفانہ مضامین نہیں ہیں کہ سمجھ ہی نہ آئیں۔ اتنی کھلی کھلی باتیں ہیں اور قرآن نے اتنی کھول دی ہیں کہ اس کے بعد کسی کے لئے آنکھیں بند کر کے یہ خیال کرنا کہ مجھے پتا نہیں تھا میں اس لئے کر رہا ہوں بالکل جھوٹ ہے۔ کوئی بھی انسان اگر یقین کر لے کہ فلاں شخص شک میں مبتلا تھا اور پھر اس سے یہ غلطی ہوئی ہے اس کو سزا نہیں دیا کرتا۔ اگر اس میں انصاف ہو تو نہیں دیتا۔ چنانچہ قانون کی زبان میں کہتے ہیں اس کو Benefit of doubt دے رہے ہیں۔ نظر تو آ رہا ہے کہ غلطی کی ہے اس نے مگر ہم اس بات کا اس کو بینیفٹ یعنی فائدہ پہنچا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ شک کا فائدہ کیوں نہ دے گا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مضامین اتنے کھول دیئے ہیں کہ شک کی گنجائش ہی کوئی نہیں چھوڑی۔ ہر انسان اپنے نفس کو جانتا ہے۔ ہر انسان ہر غلطی کے وقت سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ غلطی اب میں کیوں کر رہا ہوں اور کوئی حرص ہے اور ہر غلطی میں کسی کی حق تلفی ضرور ہوتی ہے۔ ہر غلطی میں توازن ضرور بگڑتا ہے۔ جب تجارت کے ذریعہ جائز طریق سے آپ کوئی دولت حاصل کرتے ہیں تو کبھی آپ کے ضمیر نے چٹکی نہیں لی لیکن جو رشوت کے ذریعہ دولت حاصل کرتا ہے یا دھوکہ دے کر لیتا ہے تو پہلی دفعہ ضرور ضمیر چٹکی بھرتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کو چٹکی محسوس نہ ہوئی ہو۔ پھر **اتبع** کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ شیطان کی پیروی شروع

کر دیتا ہے، اس کے خطوات پر چلنے لگتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ آوازیں مر گئیں، وہ درد کے احساس مٹ گئے اور یہ وہ مرض ہے جو پھر انسان جو ہے پتھر کا ہو جاتا ہے۔ پتھر نہ سنتا ہے نہ اس کو کوئی احساس رہتا ہے۔ پس ضمیر کے پتھر ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ احساسات سے عاری ہو جاتا ہے۔

اور قرآن کریم نے جو فرمایا کہ جہنم میں جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے تو وہاں بھی یہی پتھر ہونگے۔ انسان تو وہ ہیں جن کے اندر کچھ انسانیت کا غلبہ باقی تھا۔ پس وہ سزا سے بچیں گے تو نہیں لیکن اس سے بڑھ کر گنہگار ایسے بھی ہیں جو پتھر ہو چکے تھے اور بڑی بھاری تعداد ہے ایسے پتھروں کی آج کی دنیا میں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے ان کا جہنم کا ایندھن بننا لازمی اور یقینی ہے۔ تو ان باتوں کو سمجھتے ہوئے استغفار کی طرف قدم بڑھانا ضروری ہے اور استغفار کو اس کی باریکیوں کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات میں آج شروع کروں گا اور انشاءاللہ آئندہ خطبے میں بھی جاری رکھوں گا۔ ''توبہ کی حقیقت'' یہ ملفوظات جلد نمبر 1 صفحہ 3 سے عبارت لی گئی ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مجلس میں فرمایا:

''گناہ کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ گناہ کو پیدا کرے اور پھر ہزاروں برس کے بعد گناہ کی معافی سوجھے۔''

یعنی ایک فقرے میں عیسائیت کی عمارت کلیۃً منہدم کر دی گئی۔ ایک ہی فقرہ ہے لیکن ساری عیسائیت کی عمارت خاک میں ملا دی گئی۔ ان کا تصور یہ ہے کہ آدم کو تو پیدا کیا تھا خدا نے مگر گناہ کا حقیقی علاج مسیح کو بتایا اور اس تمام عرصے میں مسیح کی آمد سے پہلے پہلے گناہ کا حقیقی علاج ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''گناہ کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ گناہ کو پیدا کرے اور پھر ہزاروں برس کے بعد گناہ کی معافی سوجھے''

اچھا اب معاف بھی تو کرنا ہے، کیا کریں ان سے۔ پھر وہ مسیح کو پیدا کر دیا۔ آپ نے بھی قانون قدرت کا حوالہ دیا ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ جو چیزیں دکھائی دیں وہ جو خدا نے پیدا کی ہوں اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین ہوں ان کو آپ سمجھیں تو جو قانون نظر سے اوجھل

ہیں وہ بھی سمجھ آ جائیں گے۔ یہی طریق اختیار کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”جیسے مکھی کے دو پر ہیں ایک میں شفا اور دوسرے میں زہر“ بیک وقت موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ زہر پیدا کیا اور مکھی کے شفا کا پر بعد میں پیدا ہوا۔

اور یہ جو عادت ہے مکھی کی آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی کہ مکھی جب بھی گرتی ہے بائیں طرف گرتی ہے اور بائیں طرف گرنے سے ایک بات تو یہ پیدا ہوتی ہے کہ چونکہ وہ گند کھاتی ہے اس لئے بایاں پر گند میں مبتلا ہوگا اور جراثیم لپٹیں گے تو بائیں پر سے لپٹیں گے۔ جب بیٹھ کے جھکے گی ایک طرف تو بائیں طرف جھکے گی۔ دودھ میں گرتی ہے تو بائیں پر کے ساتھ گرتی ہے جب آپ دیکھیں گے تو ٹیڑھی اس کو تیرتا ہوا دیکھیں گے۔ فرمایا اس کا دایاں پر بھی ڈبو دو اس میں شفا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی حدیث کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ اسی کا حوالہ دے رہے ہیں کہ مکھی کے اندر جہاں زہر پیدا فرمایا گیا، شفا بھی ساتھ ہی پیدا فرما دی گئی اور یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ نہ مکھی کی عادت بدلی نہ یہ مضمون تبدیل ہوا یہ تو اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ صرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شفا کیسے ہوگئی۔ یہ وہم تو نہیں کہیں کہ دوسرے پر میں شفا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو کم سے کم ہومیو پیتھ تو ضرور سمجھ سکتے ہیں کیونکہ انسانی ردعمل ایک طبعی امر ہے۔ کم سے کم میں نے کہا تھا ورنہ سارے اہل علم ضرور سمجھ سکتے ہیں۔ مگر ہومیو پیتھ کے لئے تو مفر ہی کوئی نہیں اس کو سمجھے بغیر، اس کو مانے بغیر اس کا علم ہی باطل ہو جائے گا۔ ہر وہ وجود جس کے اندر کوئی زہر حملہ آور ہو اس کے خلاف ایک ردعمل اس میں پیدا ہوتا ہے اور مدافعت کی ایک طاقت پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر ایک پر اونچا رکھتی ہے مکھی اور دوسرا گرتا ہے گندگی میں تو وہ پر جو ہمیشہ الگ رہا ہے اس میں مدافعت کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اب یہ وہ مضمون ہے جس کو احمدی سائنس دانوں کو دیکھ کر، گہرائی میں اتر کر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے نشان کے طور پر پیش کرنا چاہئے۔ مگر مسلمانوں میں یہ عادت ہے کہ کام ان کے اور وہ بھی غیر کریں۔ صداقت اسلام ثابت کرنی ہے تو غیروں کے پاس جاؤ، اپنے جھٹلانے پر ہی لگے رہیں۔ ایسے ایسے جاہلانہ تصور باندھیں کہ جو مومن ہو وہ بھی کافر ہو جائے اس لئے اب اسے دور کر لو۔

اب احمدیت کا دور ہے۔ اب ہمیں تحقیقات خود کر کے دنیا کے سامنے وہ حقائق پیش کرنے

چاہئیں جو قرآن اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے زندہ نشان ہیں مگر ابھی دکھائی نہیں دے رہے۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے مگر اصل مضمون یہی تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں دونوں چیزیں اکٹھی پیدا ہوئی ہیں زہر ہے تو تریاق بھی ہے۔ مثال مکھی کے پروں سے دی گئی ہے مگر ساری دنیا میں ہر زہر کا ایک تریاق آپ کو دکھائی دے گا۔ کوئی زہر ایسا نہیں ہے جس کا کوئی تریاق نہ ہو۔ اب دریافت کی بات ہے جو دریافت کر لے وہ کامیاب ہو جائے گا۔ جو دریافت نہیں کرے گا وہ زہر سے مغلوب ہو جائے گا۔ تو فرماتے ہیں:

''انسان کے بھی دو پر ہیں، ایک معاصی کا اور دوسرا خجالت ،توبہ، پریشانی کا۔''

ہو سکتا ہے کہ پشیمانی فرمایا ہو اور سننے والے نے پریشانی سن لیا ہو مگر پریشانی بھی اطلاق پا جاتا ہے۔ یہ مضمون بھی اطلاق پا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں انسان کے بھی دو پر ہیں ایک گناہوں کا اور دوسرا شرمندگی کا، خجالت کا اور خجالت ہو تو توبہ پیدا ہوتی ہے اور اگر پریشانی ہے لفظ تو پھر اس میں ایک اور معنی پیدا ہو جاتا ہے تو تدریج ہوگی تو پہلے شرمندگی ہوگی تو توبہ کی طرف توجہ ہوگی۔ توبہ کی طرف جب توجہ ہوگی تو اس وقت پریشان ہوں گے۔ اس وقت پتا چل جائے گا کہ شرمندگی سے بات نہیں بننے والی وہ تو بہت گہرا نقصان پہنچ گیا ہے۔ اب ٹٹول کے دیکھا تو پھر پتا چلا کہ کتنا گہرا نقصان تھا جس میں میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ تو جو نقصان پہنچ جائے اس پر پریشانی ہوا کرتی ہے اور پریشانی میں اس کو دور کرنے کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے تو پریشانی لگ جاتی ہے کہ اب میں کس طرح اس سے نجات پاؤں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے جیسے ایک شخص جب غلام کو سخت مارتا ہے تو پھر اس کے بعد پچھتاتا ہے گویا کہ دونوں پر اکٹھے حرکت کرتے ہیں۔ ایک طرف گناہ کا دوسری طرف ندامت، خجالت اور پھر توبہ کا۔ زہر کے ساتھ تریاق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زہر کیوں بنایا گیا یہ چونکہ ایک باریک فلسفہ ہے گناہ کا جس کو زیادہ تفصیل سے آپ کے سامنے رکھنا ہوگا اس لئے میں یہیں بات ختم کرتا ہوں۔ آئندہ خطبے میں پہلے اس سوال کا جواب چھیڑوں گا کہ اگر گناہ کے ساتھ تریاق رکھا گیا ہے تو گناہ بنایا ہی کیوں گیا اور اگر بنایا گیا ہے تو حکمت سے خالی بات نہیں۔ وہ کیا حکمت ہے یا اور حکمتیں ہیں انشاء اللہ ان باتوں کی طرف آئندہ خطبہ میں توجہ دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ